انسانی اخلاقی اقدار اور تہذیبی آویزش

(فکرِ اقبال کی روشنی میں)

مُنیبہ صائمہ (پی ایچ ڈی سکالر)

فیڈرل اردو یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی ، اسلام آباد

ہر تہذیب اقدار کا مخصوص نظام اور تصور رکھتی ہے۔اقبال کے پیشِ نظر ہندو تہذیب کی طبقاتی تقسیم بھی اور عیسائی تہذیب کی مادیت پرستی و لادینیت بھی۔ اقبال کے خیال میں تہذیبِ انسانی کے تدریجی ارتقا کو طبقاتی تقسیم کے لحاظ سے مختلف ادوارمیں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً طبقاتی دور، مذہبی دور، ملوکیت کا دور، نظریاتی و سیاسی اور تجارتی جنگ کا دور(۱) اقبال کے نزدیک جو تہذیب قدروں کی تخلیق نہیں کرتی وہ بہت جلد لذت پرستی اور جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔اس کی نظروں سے خیر و شر کا امتیاز اوجھل ہو جاتا ہے۔تہذیب کی نذر آفرینی اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک افراد کی سیرت نیکی اور خیر کا مرکز ہو۔ان کی مساعی خود قدروں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، جن کے معین کرنے میں ان کے علم ، تاثر اور تخیل کی کارفرمائی شریک ہوتی ہے۔ لیکن اگر اخلاقی ارادہ بے مقصدی کی وجہ سے مفلوج ہو جائے تووہ تہذیب زیادہ دن نہیں چل سکتی۔اس کی دولت و ثروت اور علم وحکمت اس کو تباہی سے نہیں بچا سکتے۔(۲)

اقبال اسلامی تہذیب کی اعلیٰ اقدار کے باعث اسے انسانیت کی فلاح و نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔اقبال ”جواب شکوہ“ میں مسلمانوں کے تہذیبی زوال کی وجہ ان کی بے عملی اور اخلاقی اقدار کے زوال کو قرار دیتے ہیں۔وہ اسلاف کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا ذکر کرتے ہیں، جن میں شجاعت ، حریت عدل و انصاف، حیا، مساوات اور رواداری شامل ہیں۔

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک

شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا

عدل اس کا تھا قوی لوث ِمراعات سے پاک

تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

اس کے آئینہ ہستی میں عملِ جوہر تھا (۳)

اقبال کے نزدیک قومیں اپنے قول و عمل اور کردار سے نر اور مادہ ہوتی ہیں (۴) اقبال قوت اور جذبۂ حریت کی بنیاد پر استوار اقداار کو پسندیدہ کمزور اور کمزور، غلام ذہنوں کی تخلیق شدہ اقدار کو ادنیٰ قرار دیتے ہیں۔(۵)

ان کے نزدیک حریت و مساوات اور عدل واخوت ایسی اعلیٰ اخلاقی اقدار اسلامی تہذیب کا خاصہ ہیں اور ان خصوصیات کے باعث اسلامی تہذیب دیگر تہذیبوں سے متصادم ہے کیونکہ وہ انسان کی فطری آزادی اور مساواتِ بنی نوع انسان کو سلب کر دیتی ہیں۔

چون شود اندیشہء قومے خراب

میرد اندر سینہ اش قلبِ سلیم

ناسرہ گردد بدستش سیمِ ناب

در نگاہِ او کج آید مستقیم (۶)

اقبال کے نزدیک اس زمانے میں دنیا بھر میں قدرو حریت و شرف انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہورہی ہے کہ تاریخِ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔یکم جنوری ۱۹۳۸ء میں سالِ نو کے آغاز پر اپنی ریڈیائی تقریر میں فرماتے ہیں:

”جن حاکموں کا یہ فرض تھاکہ اخلاقِ انسانی کے نوامیس ِعالیہ کی حفاظت کریں، انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں اور انسانیت کی ذہنی اور عملی سطح کو بلند کریں، انھوں نے ملوکیت اور استعمار کے جوش میں لاکھوں ، کروڑوں بندگانِ خدا کو ہلاک و پامال کر ڈالا، صرف

اس واسطے کہ ان کے اپنے مخصوص گروہ کی ہوا وہوس کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جائے۔"(۷)

اقبال کے نزدیک اخوت ، حریت اور مساوات کے شاندارالفاظ اس وقت تک شرمندۂ معنی نہیں ہو سکتے جب تک نام نہاد جموریت ، جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ و نسل کے اعتبارات کو نہ مٹا یا جائے اور ساری مخلوق کو الخلق عیال اللہ نہ سمجھا جائے۔

رموزِبے خودی میں اقبال اسلامی تہذیب و تمدن اور دیگر تہذیبوں میں آویزش کی بنیادی وجہ یہی بتاتے ہیں کہ دیگر تہذیبوں نے انسان کی آزادی جو کہ اس کی فطرت کا تقاضا تھی اس سے ہمیشہ محروم رکھا۔خواہ وہ قدیم زمانے کی تہذیبیں ہوں یونانی ،رومی اور ہندو تہذیبیں یا عہدِ حاضر کی تہذیبیں ، اور ان تہذیبوں میں حکمرانوں کی سرپرستی میں انسان کوانسان کا غلام بنایا جاتا ہے۔جبکہ اسلامی تہذیب وہ واحد تہذیب ہے جس نے سب سے پہلے انسان کو اس کے پیدائشی حق یعنی آزادی "کا حق عطا کیا۔"رموزِ بے خودی " میں" در معنی ایں کہ مقصود رسالت محمدیہ تشکیل و تاسیس حُرّیت و مساوات و اخوت بنی نوع آدم است "میں وہ نہ صرف اسلامی تہذیب کی بنیادی خصوصیت حریت بتاتے ہیں بلکہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں کی بنیاد پر مساوات اور اخوت کو بھی اسلامی تہذیب کا خاصہ قرار دیتے ہیں۔اسی نظام اقدار و اخلاق کی بنا پر اسلامی تہذیب ، ان تمام تہذیبوں سے آویزش رکھتی ہے جو ان اقدار سے انحراف کرتی ہیں۔رموزِبے خودی میں اقبال فرماتے ہیں۔

بود انسان درجہاں انساں پرست

سطوتِ کسریٰ و قیصر رہزنش

کاہن و پاپا و سلطان و امیر

صاحبِ اورنگ وہم پیر کنشت

ناکس و نابود مند و زیردست

بندہا در دست و پا گردنش

بہر یک نخچیر صد نخچیر گیر

باج ہر کشتِ خرابِ او نوشت (۸)

جب ہر تہذیب میں انسان کو غلام ہی بنایا گیا خواہ وہ رومی تہذیب تھی یا ایرانی، ہندو تہذیب تھی یا عیسائی تہذیب تو انسان کی فطرت پست ہو گئی۔انسان مقامِ آدمیت سے گر گیا۔تہذیب انسانی کے اس تاریک دور میں حضورﷺ نے امین بن کر حقداروں کو ان کا حق سپرد کیا۔

تا امینے حق بحقداراں سپرد

بندگاں را مسندِ خاقاں سپرد (۹)

حضورﷺ نے انسانیت کی مردہ راکھ سے زندگی کے شعلے پیدا کیے مزدور کی وقعت پیدا کی۔دور کہن کی بری باتوں کو ختم کر کے اعلیٰ اقدار کی تعلیم، اخوت اور مساوات کے درس نے انسا ن کو آزادی بخشی۔ اسلامی تہذیب میں دنیوی امتیازات کا تصور ناقابل برداشت ہے۔ ؎

تازہ جاں اندر تن آدم دمید

زادنِ او مرگِ دنیائے کہن

حریت زاد از ضمیر پاک او

عصرِ نو کایں صد چراغ آوردہ است

بندہ را باز از خداوناں خرید

مرگِ آتش خانہ و دیر و شمن

ایں مے نوشیں چکید از تاک او

چشم در آغوشِ او وا کردا است (۱۰)

حضورﷺ ایسی اُمت وجود میں لائے جس نے زمانے کو فتح کر لیا۔جو ماسواسے بیگانہ اور چراغِ مصطفیٰﷺ کی پروانہ ہے۔یہ امت حق و صداقت کی علم بردار ہے اس نے تہذیب کے پرانے بتوں کو پاش کر دیا۔

کائنات از کیفِ او رنگیں شدہ

کعبہ ہا بُت خانہ ہائے چین شدہ (۱۱)

ان کی تعلیمات نے انسانی اخوت اور مساوات کا درس دیا۔

مرسلان و انبیا آبائے او

کل مومن اِخوۃ'' اندر دلش

اکرمِ او نزد حقِ اتقائے او

حریت سرمایۂ آب و گِلش(۱۲)

اسلامی تہذیب میں برتری کا معیار تقویٰ ہے۔ایک فرد اگر خدا سے ڈرنے والا نہیں تو اس کی تمام خوبیاں بے کار ہیں۔اسی لیے اقبال کے ہاں تہذیبی آویزش کی روایت ملتی ہے کیونکہ اقبال تہذیب اسلامی کے پرستار ہیں اور جو تہذیب بھی افکارِ اسلامی سے متصادم ہے اقبال کے ہاں اس کے بارے میں آویزش کے تصورات پائے جاتے ہیں۔

عدل و انصاف ، حریت و مساوات اور اخوت ، وہ اخلاقی اقدار ہیں۔جو اسلامی تہذیب کو دیگر تہذیبوں سے برتر ثابت کرتی ہیں۔اسلامی تہذیب میں، ہندو تہذیب کی طرح ذات پات کی طبقاتی تقسیم ہے اور نہ ہی عیسائیت اور یہودیت کی طرح نسلی و مذہبی تعصب ،اپنی بیاض میں وہ ایک انگریز پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ...کہ وہ انگریزیہودیوں سے اس لیے نفرت کرتا ہے کیو نکہ وہ اپنے آپ ک خدا کی بر گزیدہ قوم سمجھ کر دیگر اقوام کی تحقیر کرتے ہیں، لیکن بقول اقبال: ''وہ انگریز بھول گیا کہ ''سفید قوموں کا بارِ امانت'' والا مشہور فقرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسی قسم کے احساسِ تفوق کی غمازی کرتا ہے۔''(۱۳)ان اقدار کے حوالے سے اقبال رموزِ بے خودی میں چند حکایات بیان کرتے ہیں۔ اخوتِ اسلامیہ کے بارے میں وہ بو عبید ثقفی اور جابان کی حکایت بیان کرتے ہیں۔ جابان ، شہنشاہِ ایران یزدجرد جم کی طرف سے ایرانیوں کے سپہ سالار جابان نے جب میدانِ جنگ میں اپنی شکست دیکھی تو اس نے مکاری سے ایک مسلم مجاہد سے پناہ طلب کی اس نے اسے امان دی جنگ کے خاتمے پر معلوم ہوا کہ وہ تو ایرانی لشکر کا سپہ سالار ہے تو مسلمانوں نے بو عبید ثقفی سے کہا کہ اسے قتل کرنے کی اجازت دی جائے لیکن انھوں نے اجازت نہیں دی کیونکہ ان کے نزدیک اسے ایک مسلمان نے پناہ دی ہے اور وہ مسلمان ہمارا بھائی ہمارے لیے اسی طرح قابل احترام ہے جیسے کوئی امیر قوم۔اس واقعہ کے بیان کے بعد اقبال بو عبید کی زبانی فرماتے ہیں۔

گفت اے یاراں مسلمانیم ما

نعرۂ حیدر نوائے بوذراست

تارِ چنگیم و یک آہنگیم ما

گرچہ از حلق بلالؓ و قنبرؓ است(۱۴)

رموزِبے خودی میں ہی حکایتِ سلطان مراد اور معمار میں اسلامی مساوات کے بارے میں بتاتے ہیں۔کہ معمار کا ہاتھ کٹوانے پر قاضی نے شاپ مراد کو اصول قصاص کے تحت سزا سنائی۔یہاں اس حکایت کا بیان اور اسلام کے اصول قصاص کا ذکر اقبال اس لیے کرتے ہیں کیونکہ ہر وہ تہذیب مٹ جاتی ہے جو عدل و انصاف سے کام نہیںلیتی۔زندگی کا استحکام اسی قانون سے ہے۔

گفت قاضی فی القصاص آمد حیٰوۃ

عبد مسلم کمتر از احرار نیست

پیش قرآں بندہ و مولا یکے است

زندگی گیرد بایں قانونِ ثبات

خونِ شہ رنگین تر از معمار نیست

بوریا و مسند دیبا یکے است (۱۵)

وَاَحسنوا خ اِن اللّٰہ یحبُ المحسنین(۱۶)

وَاُمرتُ لا عدِل بینکم(۱۷)

ان اللّٰہ یحب المقسطین(۱۸)

'' حریت''کے اصول کو وہ واقعہ کربلا کی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔ حضرت امام حسین نے حق کی خاطر جان دے کر، قیامت تک استبداد کی جڑکاٹ دی۔

برحق در خاک و خوں غلطیدہ است

پس بنائے لا الہ گردیدہ است (۱۹)

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست

پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست (۲۰)

اسلامی تہذیب میں حریت کا جو تصور پایا جاتا ہے وہ دنیا کی کسی اور تہذیب میں نہ تھا اور نہ ہے۔بقول ڈاکٹر یوسف حسین:

'' یونان کی ہر شہری ریاست میں غلاموں کی تعداد شہریوں کی تعداد سے کئی گنا تھی۔ جنھیں شہریت کے حقوق حاصل نہ تھے۔'' (۲۱)

اقبال اپنے مضمون ''قومی زندگی'' میں بھی لکھتے ہیں کہ غلامی تمدن انسانی کا ایک ضروری جزو سمجھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ افلاطون جیسے فلسفی نے بھی اپنی کتاب ''المملکت'' میں جائز قرار دیا۔اس جواز کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانے میں کسی سے اُجرت پر کام کرالینے کا خیال بھی انسانی ذہن میں نہیں آسکتا تھا۔ملازمت ایک آزاد معاہدہ نہیں تصور کی جا سکتی تھی اور چونکہ نظامِ تمدن اصولِ ملازمت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا تھا اس واسطے غلامی کو جائز قرار دینا لازمی ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ افرادِ انسانی کی ایک بہت بڑی تعداد بے جان اشیا کی طرح ملکیت سمجھی جانے لگی۔ لیکن بقول اقبال اسلامی تہذیب نے انسان کو غلامی سے آزاد کیا:

'' سب سے پہلے نبی عربؐ نے انسان کو فطری آزادی کی تعلیم دی اور غلاموں اور آقائوں کے حقوق کو مساوی قرار دے کر اس تمدنی اور انقلاب کی بنیاد رکھی...ایسا کرنا گویا نوعِ انسان کے ایک کثیر حصے کو اس آزاد مقابلے کے میدان میں واپس لے آنا تھا جس کے اثر سے تمدن و تہذیب کی اعلیٰ صورتیں پیداہوتی ہیں اور جو دنیا کی تمام تہذیب و شائستگی کی بیخ و بنیاد ہے۔ حکیم عرب کی اس مبارک تعلیم کا نتیجہ کیا ہوا؟ مسلمانوں میں غلام بادشاہ ہوئے، غلام وزیر ہوئے، غلاموں کو اعلیٰ تعلیم دی گئی، غلاموں میں فلسفی اور ادیب پیدا ہوئے۔ اس قبیح امتیاز کے مٹ جانے سے ہر غلام ایک اعلیٰ خاندان کے آدمی کے ساتھ عقلی مقابلہ کر سکتا تھا۔''(۲۲)

یہی وجہ ہے کہ ہر فرد اس مقابلے میں شامل ہو کر سلطنت کے اعلیٰ ترین مناصب تک پہنچ سکتا ہے اور اس کی عمدہ ترین مثال حضرت عمر فاروقؓ کا عہد ہے جب وہ بیت المقدس کی فتح کے لیے جا رہے تھے۔ اقبال لکھتے ہیں :

'' جہاں تک مجھے معلوم ہے دنیا کی کسی قوم کی تاریخ ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی اور مسلمان اس تعلیم پر جس قدر ناز کریں بجا ہے۔''(۲۳)

اقبال کے ایک طویل انگریزی مضمون جس کا ترجمہ ''اسلام ایک اخلاقی خیال کی حیثیت ''میں بھی اقبال لکھتے ہیں اسلام نے غلامی کو کس طرح موقوف کیا؟ ان کے نزدیک حضورﷺ جو پرانی اور نئی دنیا میں ایک رابطہ تھے انھوں نے انسانی مساوات کے اصول کی بڑے زور سے تعلیم دی۔ لیکن گردوپیش کے حالات کو بھی و ہ نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے غلامی کے نام کو نہیں اُڑایا مگر اس کی اصلیت کو بالکل دور کر دیا اور غلام آزاد کو ایک مرتبہ پر لا کھڑا کیا، غلاموں کو وہی موقع ترقی کا حاصل تھا جو آزادوں کو تھا۔ خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں غلامی بذریعہ خرید و فروخت بالکل نہیں ہوتی تھی، بلکہ خزانہ عامرہ کا ایک حصہ غلاموں کی آزادی کے لیے مخصوص تھا۔ جنگی قیدیوں کو بھی بطور احسان یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرنے فتح یروشلم کے بعد غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اسی طرح قتل کی بھی بعض صورتوں یا قسم کے کفارہ کے لیے بھی غلام آزاد کیے جاتے۔ پیغمبر خداﷺ کا اپنا سلوک غلاموں سے حد درجہ فیاضانہ تھا۔(۲۴)

اقبال غلاموں کو حقوق دینے کے حوالے سے حضورﷺ کی زندگی کا ایک وقعہ تحریر کرتے ہیں کہ قریش کے ایک نہایت شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والی خاتون کا نکاح جب ایک آزاد شدہ غلام سے کامیاب نہ ہو سکا اور کسی آزاد عرب نے ایک غلام کی مطلقہ بی بی سے نکاح کرنا پسند نہ کیا تو حضورﷺ نے خود اس عورت سے نکاح کر کے بتا دیا کہ غلام کو اسلام میں یہ عزت حاصل ہے کہ اس کی مطلقہ بی بی سے خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا نبی بھی نکاح کر سکتا ہے۔ اقبال اس بیان کے بعد لکھتے ہیں:

'' اس ایک واقعہ میں دو سبق دیے گئے ہیں یعنی یہ کہ غلام آزاد عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ غلام کی مطلقہ بی بی سے آزاد آدمی نکاح کر سکتا ہے۔'' (۲۵)

اقبال اسی مضمون میں مرحوم امیر افغانستان کے دربار میں غلام کا مقام بیان کرتے ہیں۔ مرحوم امیر افغانستان عبدالرحمن نے ایک چترالی غلام کو ہرات میں اپنا سب سے زیادہ قابل اعتبار کمانڈر انچیف بنایا۔ اس کی مہر اسی غلام کے پاس ہوتی تاکہ وہ اس کے ضروری کاغذات اور کھانوں کی چیزوں پر لگائے۔ اس طرح اپنی سلطنت کا پورا انتظام اس کے ہاتھ میں دیا ہوا تھا۔ اس طرح پروانہ خاں اور جان محمد خان اس کے دورِ حکومت میں

بالترتیب کمانڈر انچیف اور افسر خزانہ تھے۔ یہ دونوں عہدے دار غلام تھے۔اقبال اس مثال کو پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

'' حق یہ ہے کہ غلام کا رواج اسلام میں محض ایک نام ہی نام ہے اور اسلامی شریعت اور اسلامی اخلاق کے تمام پہلوئوں میں خیال شخصیت کا احساس ،کامل طور پر ظاہر ہوتا ہے۔''(۲۶)

اقبال ان اسلامی اقدار کے پرستار ہیں جبکہ دیگر تہذیبوں میں اس طرح کی اعلیٰ اخلاقی اقدار نہیں پائی جاتیں اگر ہیں بھی تو نام نہاد دیا برائے نام، یہی وجہ ہے اقبال کے ہاںدیگر تہذیبوں سے آویزش کے تصورات پائے جاتے ہیں۔

اقبال عیسائی تہذیب کے نظام اقدار میں مصیبت کے حوالے سے اپنی بیاض میں لکھتے ہیںکہ: ''کوئی مذہبی نظام، مصیبت کی اخلاقی قدر کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔عیسائیت کے بانیوں کی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے صرف مصیبت کی حقیقت پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی اور دیگر عوامل کی اخلاقی قدر کو فراموش کر بیٹھے۔ تاہم حسین لیکن یک رخے یونانی نصب العین کی کمی پوری کرنے کے لیے ، یورپی ذہن کو ایسے ہی مذہبی نظام کی ضرورت تھی۔یونانی تصورِ حیات، بقول گوئٹے، بہترین تھا، لیکن مصیبت کی رنگ آمیزی سے عاری تھا، جس کی تلافی عیسائیت سے ہو گئی۔(۲۷)

عصرِ حاضر میں بے حیائی ، عریانی اور فحاشی ایک بہت بڑا اور سلگتا ہوا مسئلہ ہے میڈیا کی آزادی نے نوخیز ذہنوں کو مسموم کر کے رکھا دیا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب یا اسلامی ممالک بے حیائی کے عفریت نے ہماری تمام روایات و اخلاقی اقدار کو اپنی لپیٹ لے لیا ہے۔ تہذیبی آویزش کی اس صورت پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ فکرِ اقبال کو عام کیا جائے۔ کیونکہ یہ قدر ''حیا'' اتنی اہم ہے کہ نہ صرف انسانی کردار کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

انسانی اخلاقی اقدار میں ایک اہم قدر'' حیا'' ہے جو انسانی سیرت وکردار کی تشکیل کرتی ہے۔بقول اقبال:

"Character is a kind of energy, The more it is dissipated the weaker it becomes." (۲۸)

لیکن تہذیبی آویزش نے اس انسانی قدر کو جس طرح مجروح کیا ہے اس بارے میں نظم'' جاوید کے نام '' میں فرماتے ہیں۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی

خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ(۲۹)

اس اہم قدر سے بے گانگی کی وجہ سے نئی نسل میں نہ تو بزرگوں کا دب رہا ہیاور نہ وہ خوش خلقی و خوش اطواری اورکردار کی پختگی جو اسلامی سیرت کا خاصہ ہیں۔

نوجواناں تشنہ لب ، خالی ایاغ

کم نگاہ و بے یقین و نااُمید

شستہ رو، تاریک جاں ، روشن دماغ !

چشم شاں اندرجہاں چیزے ندید! (۳۰)

اخلاقی اقدارسے بیگانی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ والدین تربیت سے غافل ہو چکے ہیں (۳۱)دوسرے رزق حلال کی تمیز ختم ہو چکی ہے نئی تہذیب نے مادیت پرستی کو فروغ دیا بینکوں کے سودی نظام نے خیر وشر کی تمیز ختم کر کے انسان کے سینے اللہ کا نور نکال دیا ہے۔

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول

نِعْمَ مَال'' صالِح'' گوید رسول(۳۲)

ایں بنوک ایں فکر چالاک یہود

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام

نورِ حق از سینۂ آدم ربود

دانش و تہذیب و دیں سودائے خام(۳۳)

اقبال کے خیال میں تہذیبی آویزش نے انسانی کردار میں سے صالح عناصر کو ختم کر دیا ہے۔بے حیائی اور عریانی گلی گلی ، کوچے کوچے تک پھیل کر رہزنِ ایمان بن چکی ہے۔ہر طرف بے حیائی کا فساد برپا ہے۔

فسادِ عصرِ حاضر آشکار است

سپہر از زشتیٔ او شرمسار است (۳۴)

ہر کوچہ میں چشم و گوش کے رہزن ہیں۔قحبہ خانوں اور زنانِ بازاری کی کثرت ہے۔بے حیائی اور عریانی عروج پر ہے۔

بہ ہر کو رہزنانِ چشم و گوش اند

گراں قیمت گناہے با پشیزے!

کہ در تاراج دل با سخت کوش اند

کہ ایں سودگراں ارزاں فروش اند! (۳۵)

تہذیب حاضر نے انسانی کردار پر برے اثرات مرتب کیے ہیں۔ نظم ''انتداب'' میں اقبال سوال اُٹھاتے ہیں کہ کس مقام کو تہذیب کی ضرورت ہے مشرق یا مغرب کو؟

کہاں فرشتۂ تہذیب کی ضرورت ہے

جہاں قمار نہیں،زن تنک لباس نہیں

بدن میں گرچہ ہے اک روحِ ناشکیب و عمیق

نظرورانِ فرنگی کا ہے یہی فتویٰ

نہیں زمانۂ حاضر کو اس میں دشواری

جہاں حرام بتاتے ہیں شغل مے خواری

طریقۂ اب و جد سے نہیں ہے بے زاری

وہ سرزمیں مدنیت سے ہے ابھی عاری(۳۶)

تہذیب کے نام پر اس لوٹ مار اور جنگ پر اقبال نے ہر جگہ تنقید کی ہے۔خواہ ان کی شاعری ہو یا مقالات و خطبات ، اقبال اس نظم میں یہی بتانا چاہتے ہیں کہ بقول غلام رسول مہر:

'' اس نظم کی خاص...خوبی یہ ہے کہ جہاں یہ بتایا گیا کہ (یورپی دانائوں کے نقطۂ نگاہ سے) کون کون سے مقامات تہذیب سے خالی ہیں، وہاں ضمناًیہ بھی بتا دیاکہ یورپی تہذیب اپنے ساتھ کیا کیاچیزیں لاتی ہے۔ مثلاً جوا، عورتوں کو نیم عریاں لباس پہنانا، شراب نوشی، باپ داد ا کے طور طریقوں سے بے زاری، بزدلی ، نادانی، کمزوری وغیرہ۔'' (۳۸)

نظم ''بڈھے بلوچ کی نصیحت'' میں بھی تہذیب حاضر پر تنقید ہے

؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش

تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا (۳۹)

اقبال جہاں ہندی تہذیب کی طبقاتی تقسیم ، ایرانی تہذیب کی رہبانیت اور عجمی تصوف سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں وہاں فرنگی تہذیب کی لادینیت سے بھی بچنا ضروری قرار دیتے ہیں۔کیونکہ اس پر عمل پیرا ہونے سے دل اور آنکھوں اندھی ہو جاتی ہیں۔؎

لیکن از تہذیب لا دینے گریز

فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد

از فسونش دیدۂ دل نا بصیر

زاں کہ او با اہل حق داردستیز

لات و عزیٰ در حرم باز آورد

روح از بے آبیٔ او تشنہ میر!

اپنے خطبے ''کیا مذہب کا امکان ہے؟'' میں فرماتے ہیں:

''دورِ حاضر کا مسلمان قطعاً مایوس ہو چکا ہے وہ سمجھتا ہے ، اس کی روحانی زندگی کا احیا اب مذہب کے ذریعے ناممکن ہے۔حالانکہ مذہب ہی وہ ذریعہ ہے جس سے افکار و خیالات کی دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جس کے سہارے ہم زندگی ، قوت (۳۹)اور طاقت کے دائمی سرچشمے تک پہنچتے ہیں۔''(۴۰)

گویا عصرحاضر کا انسان اگر پھر سے وہ اخلاقی ذمہ داری اٹھا سکے گا جو علوم جدیدہ کے نشوونمانے اس پر ڈال رکھی ہے تو صرف مذہب کی بدولت یوں ہی اس کے اندر ایمان و یقین کی اس کیفیت کا احیا ہو گا جس کی بدولت وہ اس زندگی میں ایک شخصیت پیدا کرتے ہوئے آگے چل کر بھی اسے محفوظ اور برقرار رکھ سکے گا۔کیونکہ مذہب نہ تو محض عقیدہ ہے۔نہ کلیسا، نہ رسوم و ظواہر بلکہ بقول اقبال: ''مذہب کی حیثیت دراصل اس اقدام کی ہے جو بالارادہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ ہم اس اصول تک پہنچ سکیں جس پر فی الحقیقت قدروں کا دارومدار ہے اور جن کے سہارے ہم اپنے قوامے ذات کی شیرازہ بندی کر سکیں۔'' (۴۱)

اقبال کے نزدیک مذہب خیالی باتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی سیرت و کردار میں انقلاب برپا کرنے کا ذریعہ ہے وہ حضورﷺ کی مثال پیش کرتے ہیں جنھوں نے تاریخ عالم کا رخ ہمیشہ کے لیے بدل

کراسے ایک نئی سمت میں ڈالا ، قوموں اور نسلوں کے اخلاق اور کردار کو بدل کر رکھ دیا۔(۴۲)

تہذیبی آویزش کے اس دور میں جب کہ مذہب کو خیالی باتوں کا مجموعہ قرار دیاجا رہا ہے۔یاسیکولرازم کے نام پر لادینیت یا پھر مذہب کو پرائیوٹ مسئلہ قرار دیا جا رہا ہے اقبال مذہب کے امکان؟کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ ایک پوری تہذیب بغیر وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔جو تہذیبیں مذہب سے انکاری ہیں ان کے انکار میں ہی اقرار ہے۔لا بذاتِ خود اِلہ کا اثبات ہے۔

ولایت، پادشاہی ، علمِ اشیا کی جہانگیری

یہ سب کیا ہے؟ فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں(43)

اقبال کے نزدیک اگر مسلمانوں کی تمام تر کوششیں اس امر پر مرکوز رہتیں کہ اسلام نے نوعِ انسانی کو جس طرح کے عمل اور ایمان کی تلقین کی ہے، اس کی نوعیت کیا ہے تو آج ہم مسلمان اپنے پائوں پر کہیں زیادہ مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہوتے۔(۴۴)

ان کے نزدیک مذہب انسان کی ذاتِ کلی کا مظہر ہے۔(۴۵)لیکن عقاید کے ترک سے اخلاق نےافادیت پسندی کا رنگ اختیار کیا اور اس طرح عقاید ہی کے زیرِ اثر بے دینی کا دور دورہ عام ہو گیا۔

حوالہ جات

۱۔ فقیر سید وحیدالدین ، روزگارِ فقیر (جلد دوم)(کراچی :لائن آرٹ پریس لمیٹڈ ، بارِ اول، نومبر ۱۹۶۴ئ (ص ۹۷،۹۹۔

۲۔ یوسف حسین خان ، ڈاکٹر ، روحِ اقبال (لاہور:القمر انٹر پرائزر ز، ۲۰۱۰ئ)ص۱۴۵۔

۳۔ اقبال ، بانگِ دار ، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۳۵۶۔

۴۔ فقیر سید وحید الدین ، روزِ گارِ فقیر (جلداول)(لاہور:مکتبہ تعمیر انسانیت ، ۱۹۸۷ئ)ص۷۸۔

۵۔ اقبال ، مثنوی پس چہ باید کردا ے اقوامِ شرق، کلیاتِ اقبال (فارسی)(لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ئ)ص۸۰۷۔

۶۔ اقبال ، حرفِ اقبال، مرتبہ، لطیف احمد خاں شروانی(اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۴ئ)ص ۲۱۷،۲۱۷۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ اقبال ، اسرارورموز ، کلیاتِ اقبال (فارسی لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز۱۹۷۳ئ) ، ص۱۰۳۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ ایضاً ، ص۱۰۴۔

۱۱۔ ایضاً، ص۱۰۴۔

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ اقبال ، شذراتِ فکرِ اقبال ، مرتب، ڈاکٹر جاوید اقبال، مترجم ، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ، (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، طبع دوم، مئی ۱۹۸۳ئ) ص۱۱۶۔

۱۴۔ اقبال ، اسرارورموز ، کلیاتِ اقبال، ص۱۰۶۔

۱۵۔ ایضاً ص ۱۰۸۔

۱۶۔ سورۃ البقرہ ، آیت ۱۹۵۔

۱۷۔ الشوریٰ ، آیت ۱۵۔

۱۸۔ الممتحنہ ، آیت ۸۔

۱۹۔ اقبال ، اسرارورموز، کلیاتِ اقبال ، ص ۱۱۰۔

۲۰۔ ایضاً،ص ۱۱۱۔

۲۱۔ یوسف حسین خان ، ڈاکٹر ، روحِ اقبال ، ص ۱۴۴۔

۲۲۔ اقبال ، مقالاتِ اقبال ، مرتب، سیدعبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (لاہور: آئینہ ادب، بارِ دوم ۱۹۸۸ئ) ص ۸۱۔

۲۳۔ ایضاً۔

۲۴۔ ایضاً ، ص ۳۱۵۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۱۶۔

۲۶۔ ایضاً ، ص ۳۱۷۔

۲۷۔ اقبال، شذراتِ فکرِ اقبال ، ص ۱۴۳۔

۲۸۔ اقبال، انوارِ اقبال، مرتب بشیر احمد ڈار(کراچی: اقبال اکادمی ، طبع اول ۱۹۶۷ئ) ص ۳۰۳۔
۲۹۔ اقبال ، بالِ جبریل (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع دوم اگست ۱۹۹۱ئ) ص ۱۱۶۔
۳۰۔ اقبال ، جاوید نامہ (لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز ، طبع ہفتم جولائی ، ۱۹۷۰ئ)ص۲۳۷۔
۳۱۔ اقبال ، جاوید نامہ (لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز ، طبع ہفتم جولائی ، ۱۹۷۰ئ)ص۲۳۴۔
۳۲۔ اقبال ، جاوید نامہ (لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز ، طبع ہفتم جولائی ، ۱۹۷۰ئ)ص۲۳۴۔
۳۳۔ ایضاً ص ۳۷۔
۳۴۔ اقبال، ارمغانِ حجاز(لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز ، طبع دہم ۱۹۷۰) ص ۱۸۰۔
۳۵۔ اقبال، ارمغانِ حجاز ،(لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز ، طبع دہم ۱۹۷۰) ص ۱۸۰۔
۳۶۔اقبال، ضربِ کلیم (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ، طبع اول ، جنوری ۱۹۸۹ئ) ص ۱۵۱، ۱۵۲۔
۳۷۔غلام رسول مہر ، مطالبِ کلامِ اقبال (اردو)(لاہور:غلام علی پرنٹرز، ۱۹۹۷ئ) ص ۲۱۴۔
۳۸۔اقبال، ارمغانِ حجاز ، ص ۲۳۰۔
۳۹۔علامہ اقبال نے کردار کو بھی ایک قوت کہا ہے۔ملا حظہ ہو انوارِ اقبال، ص ۳۰۳۔
۴۰۔اقبال، تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ ، مترجم، سید نذیر نیازی (لاہور: بزمِ اقبال، طبع اول ۱۹۵۸ئ (ص ۲۹۱۔
۴۱۔ایضاً ص ۲۹۳۔
۴۲۔ایضاً ص ۲۹۴۔
۴۳۔اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (اردو) ، ص ۴۸۱۔
۴۴۔اقبال، تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ ، ص ۱۴۶۔
۴۵۔ایضاً ص۳۔